میاں منظور احمد وٹو کی آپ بیتی ''جرمِ سیاست'' کا سیاسی و سماجی مطالعہ

Socio-Political Study of Autobiography "Jurm-e-Seyasat" by Mian Manzoor Ahmad Watto

i ڈاکٹر عرفان توحید ii ڈاکٹر صائمہ اقبال iii غلام مصطفیٰ

Abstract:

Mian Manzoor Ahmed Watto's autobiogarphy "Jurm-e-Seyasat" by former Chief Minister of Punjab, is a complete history of Pakistani politics. From family background to academic and political life, the above-mentioned autobiography has been described very eloquently. This autobiography tells the story of the ups and downs of Pakistani politics through the eyes of a patriot-turned-politician. The author goes on to describe his observations, experiences, situations and events in a systematic way in his narrative, which gives reasoned answers to many questions in the mind of the reader and opens various political knots of Pakistani political history. Undoubtedly, this is an effective and entertaining autobiography written by a shrewd politician.

Keywords: *Autobiography, Politician, Politics, History, Pakistan, Scenario.*

سابق وزیراعلیٰ پنجاب میاں منظور احمد وٹو کی خود نوشت سوانح عمری ''جرم سیاست'' پاکستانی سیاست کی مکمل تاریخ ہے۔ خاندانی پس منظر سے لے کر علمی و سیاسی زندگی تک، مذکورہ سوانح عمری کو فصاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ یہ خود نوشت پاکستانی سیاست کے اتار چڑھاؤ کی کہانی ایک سیاست دان کی آنکھوں سے بیان کرتی ہے۔ مصنف اپنے مشاہدات، تجربات، حالات اور واقعات کو اپنے بیانیے میں منظم انداز میں بیان کرتا ہے، جس سے قاری کے ذہن میں بہت سے سوالات کے مدلل جوابات ملتے ہیں اور پاکستانی سیاسی تاریخ کی مختلف سیاسی گرہیں کھل جاتی ہیں۔ یہ ایک موثر اور دل چسپ سوانح عمری ہے جو ایک ذہین سیاستدان نے لکھی ہے۔ یہ مقالہ اسی خود نوشت کو احاطہ کرتا ہے۔

کلیدی الفاظ: خود نوشت، سیاست دان، سیاست، تاریخ، پاکستان، تناظرات۔

قیام پاکستان سے تاحال مختلف سیاسی و سماجی شخصیات نے اپنے حالات و مشاہدات کو کتابی صورت میں شائع کرایا ہے۔ یہ سیاسی آپ بیتیاں پاکستان کے سیاسی و سماجی منظر نامے میں ایک تاریخی حیثیت رکھتی ہیں کیوں کہ ہر دور اپنی مخصوص تہذیب و ثقافت کا حامل ہوتا ہے۔ اس کے بنیادی خدوخال تو صدیوں کے بعد تبدیل ہوتے ہیں مگر فروعی چیزیں ہر دور اور زمانے کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ ان کی نشان دہی عام تاریخی کتب نہیں کر سکتیں۔ ہمیں ان کے لیے آپ بیتیوں کی طرف راغب ہونا پڑتا ہے کیوں کہ ان کی مدد سے ہم کسی قوم، ملک اور ملت کی تہذیب کے آغاز اور عہد بہ عہد ترقیوں کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔[۱] یہاں اس بات کی وضاحت بہت ضروری ہے کہ سیاست اور سماج دونوں دراصل ایک سکے کے دو رخ ہیں۔ عام طور پر یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ ایک سماجی کارکن سیاسی شخصیت کا بھی حامل ہوتا ہے۔[۲] خود نوشت

i اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اُردو، لاہور لیڈز یونیورسٹی، لاہور (Corresponding Author)
ii اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد۔
iii پی ایچ۔ڈی اسکالر، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد۔

دراصل جگ بیتی بھی ہوتی ہے کیوں کہ ایک فرد اپنے خاندان، ماحول، علمی و ادبی اداروں، تحریکات، افراد معاشرہ، تہذیبی و ثقافتی اور سیاسی حالات سے دوچار ہوتا ہے۔[۳] بلاشبہ سیاسی آپ بیتیاں تحریر کرنے والوں کے سیاسی و سماجی شعور اور ان کے سیاسی کارہائے نمایاں کی مکمل تصویر ہوتی ہیں۔[۴] دراصل سیاسی و سماجی خودنوشت سے مراد یہی لیا جاتا ہے کہ جس میں کسی اہم سیاسی و سماجی رہنما کی زندگی کو اس کے مکمل سیاسی و سماجی پس منظر کے ساتھ بیان کر دیا جائے۔[۵]

میاں منظور احمد وٹو سابق وزیراعلیٰ پنجاب کی تحریر کردہ آپ بیتی 'جرمِ سیاست' پاکستانی سیاست کی ایک مکمل تاریخ ہے۔ مذکورہ خودنوشت میں خاندانی پس منظر سے لے کر تعلیمی اور سیاسی زندگی کی تگ و دو کو بڑے سلیقے سے بیان کیا گیا ہے۔ آپ بیتی میں پاکستان کی سیاست کے نشیب و فراز کی کہانی کو ایک محب وطن منجھے ہوئے سیاست دان کی نظر سے دکھایا گیا ہے۔ مصنف اپنی داستانِ حیات میں اپنے مشاہدات و تجربات اور حالات و واقعات کو ایک منظّم انداز میں بیان کرتے چلے جاتے ہیں، جس سے قاری کے ذہن میں موجود بہت سے سوالات کے مدلل جوابات اور پاکستانی سیاسی تاریخ کی مختلف سیاسی گرہیں کھلنے لگتی ہیں۔ بلاشبہ یہ ایک زیرک سیاست دان کی تحریر کردہ ایک کام یاب اور دل چسپ آپ بیتی ہے۔

زیرِ تجزیہ خودنوشت سابق وزیراعلیٰ پنجاب میاں منظور احمد وٹو کی آپ بیتی ۲۰۰۱ء میں احمد پبلی کیشنز لاہور کے زیرِاہتمام چھپ کر منظرِ عام پر آئی۔ اس آپ بیتی کے بعد میں اضافہ شدہ ایڈیشن بھی چھپ چکے ہیں۔ آپ بیتی کے تیسرے اضافہ شدہ ایڈیشن کو پندرہ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے اور یہ ۴۱۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ مصنف ۱۴؍ اگست ۱۹۳۹ء کو ضلع فیروز پور کے گاؤں معظم میں پیدا ہوئے تھے۔ آپ کے جدامجد معظم وٹو نے فیروز پور کے اس علاقے کو آباد کیا تھا لہٰذا اسی مناسبت سے آپ کے گاؤں کا نام ''معظم'' رکھا گیا۔ ان کی والدہ حوصلہ مند اور عبادت گزار خاتون تھیں جو کہ ۱۹۶۷ء میں کینسر کے موذی مرض کی وجہ سے اچانک انتقال کر گئی تھیں۔ ان کے والد نے احمدی عقیدہ اختیار کر لیا تھا جس کی شدید مخالفت کی گئی لیکن انھوں نے آخری دم تک اپنا عقیدہ تبدیل کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

قیامِ پاکستان کے بعد آپ کے خاندان نے ہجرت کرنے کا فیصلہ کیا اور اوکاڑہ میں حویلی لکھا کے قریب ایک گاؤں 'وساوے والا' میں سکونت اختیار کی۔ مصنف نے پرائمری تک تعلیم اسی گاؤں کے سکول میں

مکمل کی اور حویلی لکھا کے ہائی سکول سے میٹرک کا امتحان پاس کر کے گورنمنٹ کالج ساہیوال سے ایف۔اے تک تعلیم حاصل کی۔ آپ نے بی۔اے تک کی تعلیم گورنمنٹ اسلامیہ کالج لاہور سے حاصل کی۔ ایوب خان کے دور حکومت میں بنیادی جمہوریتوں کے نظام کے تحت ۱۹۶۴ء کے انتخابات میں مصنف نے عملی سیاست میں پہلی دفعہ حصہ لیا اور بلامقابلہ چیئرمین یونین کونسل اور ممبر ضلع کونسل منتخب ہوئے تھے۔

خودنوشت کے باب دوم میں مصنف نے اپنے سیاسی سفر کے آغاز کی چند بنیادی وجوہات کا تذکرہ کیا ہے۔ ان دنوں تحصیل دیپال پور اور حویلی لکھا کا علاقہ تعمیر و ترقی سے محروم رہ جانے کی بدولت بہت پسماندہ تھا۔ کچے راستے، بے روزگاری، بنیادی سہولتوں کا فقدان، نہری پانی کی عدم دستیابی، بنجر زمینیں، سماجی بدامنی، بجلی سے محروم دیہات جیسے مسائل کو دیکھ کر مصنف نے اپنے دوستوں کے اصرار پر سیاست میں آنے کا فیصلہ کیا۔ انھوں نے بحیثیت چیئرمین یونین کونسل علاقے کے تعمیراتی اور رفاعی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ یونین کونسل وساوے والا کو دوسرے دیہات سے سڑکوں کے ذریعے ملا دیا گیا۔ قبرستانوں کی حالت زار کو بہتر بنایا اور اس کے علاوہ بہت سے دیہات میں عوامی فلاحی امور کو اپنی مدد آپ کے تحت سرانجام دیا۔ دیہی ترقی کے کاموں کو سراہتے ہوئے اس دور کے کمشنر ملتان سید قاسم رضوی نے مصنف کو ضلع کے بہترین چیئرمین یونین کونسل ہونے کا اعزاز دیا تھا۔

میاں منظور احمد وٹو کو ۱۹۶۸ء میں بحیثیت چیئرمین یونین کونسل "کومیلا" مشرقی پاکستان میں ضلع ساہیوال سے نمائندگی کا موقع دیا گیا۔ ان دنوں صدر ایوب خان نے بنیادی جمہوریتوں کی اکیڈمی کومیلا میں بنائی تھی۔ جہاں پر انھوں نے اپنے دور حکومت کی کامیابی کا جشن منانے کا فیصلہ کیا۔ پورے ملک میں اس سلسلے میں تقاریب کے انعقاد کے لیے اقدامات کیے گئے۔ ڈھاکہ ایئرپورٹ پر صدر ایوب خان کے استقبال کے لیے مصنف بھی موجود تھے۔ ایئرپورٹ پر لوگوں کی تعداد زیادہ نہیں تھی جو موجود تھے ان کے جذبات بھی آمرانہ حکومت کے بارے میں کچھ اچھے نہیں تھے۔ کومیلا مشرقی پاکستان میں مصنف کے میزبان کے خیالات کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ وہ مغربی پاکستان کی ہر شعبے میں بالادستی کے خلاف تھے، ۱۹۶۵ء کی جنگ کے دوران مشرقی پاکستان کا کوئی پرسانِ حال نہ تھا، مشرقی پاکستان کی عوامی نمائندگی میں حق تلفی کی گئی، مشرقی اور مغربی پاکستان کو قومی اسمبلی میں برابر نشستیں دی گئیں حالانکہ مشرقی پاکستان کی آبادی زیادہ تھی، ون

یونٹ اس لیے بنایا گیا تھا تاکہ مشرقی پاکستان کے حقوق غصب کیے جائیں اور قرار داد لاہور پر مکمل عمل درآمد نہ کرایا جاسکے۔

آپ بیتی میں میاں منظور احمد وٹو اپنے صوبائی اسمبلی کے پہلے الیکشن کے بارے میں لکھتے ہیں کہ میاں یٰسین وٹو، ایوب خان کی حکومت کے دوران سیاست میں قدم رکھ چکے تھے۔ مصنف کے ان سے اچھے تعلقات تھے۔ میاں یٰسین وٹو ۱۹۶۲ء کے انتخابات میں جیت گئے تھے۔ ۱۹۷۶ء کے انتخابات میں پیپلز پارٹی نے مصنف اور میاں یٰسین وٹو کو ٹکٹ جاری کر دیئے تھے لیکن کاغذات نامزدگی داخل کرانے سے پہلے مصنف کو معلوم ہوا کہ ان کا ٹکٹ میاں غلام احمد مانیکا کو دے دیا گیا تھا۔ ان انتخابات میں انھوں نے بطور آزاد امیدوار حصہ لیا لیکن حکومتی مشینری نے مصنف کو الیکشن سے دستبردار کرنے کے لیے ہر ہتھکنڈہ استعمال کیا۔ ان کے کارکنان کو گرفتار کر لیا گیا۔ ان انتخابات میں پی۔ پی۔ پی نے کامیابی سمیٹی تاہم پی۔ این۔ اے کی جانب سے صوبائی اسمبلی کے الیکشن کا دھاندلی کی شکایات پر مکمل بائیکاٹ کر دیا گیا۔ انتخابات کے بعد میاں یٰسین وٹو کو وزارت دی گئی اور اس طرح مصنف کی ان سے دیرینہ رفاقت کا خاتمہ ہوا۔

ان دنوں پاکستان قومی اتحاد نے ملک گیر احتجاج کا آغاز کر دیا۔ ذوالفقار علی بھٹو نے پی۔ این۔ اے سے مذاکرات کا آغاز کر دیا تھا لیکن اسی دوران جنرل ضیاء الحق نے مارشل لاء کا اعلان کر دیا۔ بھٹو کو گرفتار کر کے جیل میں قید کر دیا گیا اور ۹۰ دنوں کے بعد دوبارہ انتخابات کرانے کا وعدہ کیا۔ اس بارے میں جنرل ضیاء الحق نے سعودی عرب جا کر وعدہ کیا تھا اور ان کے ایک نمائندے نے اقوام متحدہ کے اجلاس میں ۹۰ دن کے بعد انتخابات کرانے کا باقاعدہ اعلان بھی کیا تھا۔ مصنف بعد میں تحریکِ استقلال میں شامل ہوئے لیکن تحریکِ استقلال کے صدر ایئر مارشل (ر) اصغر خان نے لوکل باڈیز الیکشن میں حصہ لینے سے انکار کر دیا جس کی وجہ سے مصنف ان انتخابات میں حصہ نہ لے سکے۔

پنجاب کے گورنر جنرل غلام جیلانی خان نے ۱۹۸۱ء میں اوکاڑہ کو تحصیل سے ضلع بنا دیا تو یہاں ضلع کونسل کے چیئرمین اور وائس چیئرمین کے انتخابات کرائے گئے۔ مصنف اپنے احباب کے زبردست اصرار پر تحریکِ استقلال کے صدر اصغر خان سے بلدیاتی انتخابات میں حصہ لینے کے لیے انھیں رضامند کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ بالآخر اعصاب شکن مقابلے کے بعد مصنف بطور چیئرمین ضلع کونسل اوکاڑہ منتخب ہو گئے۔

۱۹۸۷ء میں انھوں نے دوبارہ چیئرمین ضلع کونسل اوکاڑہ انتخاب جیتا جب کہ ۱۹۹۱ء میں ان کے چچازاد بھائی میاں احمد شجاع وٹو چیئرمین ضلع کونسل منتخب ہو گئے تھے۔ مصنف نے بطور چیئرمین ضلع کونسل بجلی کی فراہمی کو یقینی بنانے کے لیے نئی لائنوں کا جال بچھا دیا، نہری پانی کی دستیابی، سڑکیں، پرائمری، مڈل، ہائی، ہائیر سیکنڈری، ڈگری کالجز اور نئے دیہی مراکز صحت کا قیام یقینی بنایا تھا۔

غیر جماعتی بنیادوں پر ۱۹۸۵ء کے انتخابات میں مصنف نے میاں نواز شریف کے سیاسی گروپ کی حمایت کا اعلان کیا کیوں کہ مصنف تحریک استقلال کے مرکزی جوائنٹ سیکرٹری رہ چکے تھے اور انھی دنوں میاں نواز شریف بھی تحریک استقلال میں شامل ہو چکے تھے۔ جب جنرل ضیاء الحق نے الیکشن مؤخر کر دیئے تو میاں نواز شریف مارشل لاء کے دور کی صوبائی کابینہ میں وزیر خزانہ کے طور پر حلف اُٹھا چکے تھے۔ ان عوامل کے لحاظ سے میاں منظور وٹو کی میاں نواز شریف سے وزیراعلیٰ پنجاب منتخب ہونے سے پہلے ہی کافی ملاقاتیں ہو چکی تھیں۔ گورنر پنجاب نے اراکین صوبائی اسمبلی کی آراء کی روشنی میں جنرل ضیاء الحق کی مشاورت کے بعد میاں نواز شریف کو بطور وزیراعلیٰ پنجاب نامزد کیا۔ اراکین پنجاب اسمبلی کے اصرار پر میاں نواز شریف نے مصنف کو بطور سپیکر اور میاں مناظر علی رانجھا کو ڈپٹی سپیکر پنجاب اسمبلی نامزد کر دیا تھا بعد میں انتخابات کے مراحل تکمیل پذیر ہوئے۔

سپیکر پنجاب اسمبلی انتخاب کے بعد مولانا منظور احمد چنیوٹی رکن پنجاب اسمبلی نے مصنف کے قادیانی کافر ہونے کا فتویٰ دے کر سپیکر کے عہدے سے فوری طور پر ہٹائے جانے کی تحریک پنجاب اسمبلی میں جمع کرا دی۔ مصنف نے مولانا سے باقاعدہ ملاقات کے بعد ان کی غلط فہمی کو دور کیا تو مولانا نے پنجاب اسمبلی میں جمع شدہ تحریک واپس لے لی۔ مصنف کا کہنا ہے کہ یہ ان کے لیے کوئی نئی بات نہیں تھی کیوں کہ آپ کے والد احمدیہ عقیدے کے حامل تھے اس لیے ان پر کفر کے نشتر پہلے بھی چلائے جاتے رہے تھے۔ غرض سیاست کے ہر نئے موڑ پر کفر والحاد ہی کا طعنہ سننے کو ملتا رہا حالانکہ ان کا باقی خاندان سنی العقیدہ ہے۔

وزیراعظم محمد خان جونیجو ۱۹۸۵ء کے غیر جماعتی بنیادوں پر انتخابات میں منتخب ہوئے۔ جونیجو نے بطور صدر مسلم لیگ تمام صوبائی اور قومی اسمبلی کے اراکین کو مسلم لیگ میں شامل ہونے کی پیش کش کی تاہم کچھ اراکین قومی اسمبلی نے علیحدہ گروپ بنا لیا۔ جنرل ضیاء الحق نے جب خواجہ صفدر کو سپیکر کے لیے

نامزد کیا تو اس آزاد گروپ نے سید فخر امام کو بطور سپیکر قومی اسمبلی چن لیا۔ جنرل ضیاء الحق کے نامزد رکن کی قومی اسمبلی میں شکست دراصل ضیاء الحق کی پہلی شکست ثابت ہوئی۔ جونیجو نے نا صرف مسلم لیگ کے مردہ جسم میں ایک نئی روح پھونک دی بلکہ بہتر حکمت عملی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بہت سے قابلِ تحسین اقدامات اٹھائے جن میں سب سے اہم اپنی ہی کابینہ کے دو وزراء کو کرپشن کے الزامات پر فارغ کر دیا تھا۔ انھوں نے حزب اختلاف کے خلاف انتقامی سرگرمیوں سے پرہیز کیا۔ افغانستان کے مسئلہ پر کل جماعتی اجلاس منعقد کرایا، مارشل لاء کے خاتمے کی کوششیں، جمہوریت پسندی کو فروغ دیا، سیاسی رواداری کا پیکر بنے، سیاسی سرگرمیوں کا باقاعدہ آغاز کیا اور جنیوا معاہدہ کیا تھا۔

صدر ضیاء الحق نے ۱۹۸۸ء میں منتخب وزیر اعظم محمد خان جونیجو کو آٹھویں آئینی ترمیم سے حاصل شدہ اختیارات کا استعمال کرتے ہوئے اسمبلیوں کو تحلیل کرکے حکومت کو ختم کر دیا گیا۔ عبوری حکومت کے لیے سندھ میں غوث علی شاہ، بلوچستان میں ظفر اللہ جمالی، سرحد میں جنرل فضل حق اور پنجاب میں میاں نواز شریف کو وزیر اعلیٰ مقرر کر دیا گیا۔ مصنف کا کہنا ہے کہ وزیر اعظم محمد خان جونیجو پر بدعنوانی کا کوئی الزام نہیں تھا لیکن جنرل ضیاء الحق بعض سیاسی اقدامات پر ان سے ناخوش تھے جس کی وجہ سے جونیجو کو وزیر اعظم کے عہدے سے ہاتھ دھونا پڑے۔ کچھ عرصہ بعد اچانک جنرل ضیاء الحق فضائی حادثہ کا شکار ہو گئے۔ غلام اسحاق خان نے بطور صدر پاکستان عہدہ سنبھالا اور انتخابات کرانے کا اعلان کر دیا۔ محترمہ بے نظیر بھٹو نے ان انتخابات میں کامیابی حاصل کی اور مرکز کے ساتھ سندھ اور سرحد دونوں صوبوں میں صوبائی حکومتیں بنانے میں کامیاب ہو گئی تھیں۔ پنجاب کی صوبائی حکومت کے لیے آزاد امیدواروں کو ساتھ ملانے کے بعد صوبائی اسمبلی میں وزیر اعلیٰ کے انتخاب پر میاں نواز شریف کو ۱۵۰ اور مصنف کو بطور سپیکر خفیہ رائے شماری کے بعد ۱۵۵ اراکین صوبائی اسمبلی نے ووٹ دیئے تھے۔ میاں منظور وٹو آپ بیتی میں اپنے پنجاب اسمبلی کی سپیکر شپ کے علاوہ وزارت اعلیٰ کے مختلف ادوار کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''میں صوبہ پنجاب کا پانچ مرتبہ وزیر اعلیٰ بنا، دو مرتبہ، منتخب ہو کر دو مرتبہ، نگران وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے اور پانچویں مرتبہ عدالت عالیہ کے فل بنچ کے فیصلے کے نتیجے میں میری حکومت بحال ہوئی۔ میری وزارت اعلیٰ کا سب سے زیادہ عرصہ اکتوبر ۱۹۹۳ء کے

انتخابات کے بعد پاکستان ڈیمو کریٹک فرنٹ کی مخلوط حکومت کی پنجاب میں سر براہی کا دور ہے جو اکتوبر ۱۹۹۳ء سے ۱۹۹۵ء تک جاری رہا۔"[۶]

مصنف میاں محمد شریف کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ اپنے بیٹوں میاں محمد نواز شریف اور میاں شہباز شریف کی اہم سیاسی معاملات میں بھرپور رہنمائی کیا کرتے تھے۔ میاں برادران اپنے والد کے فیصلوں پر من و عن عمل پیرا ہوتے تھے۔ میاں محمد شریف کا معمول تھا کہ وہ صبح جلدی اُٹھ کر تہجد کی نماز ادا کرتے پھر سیر کرنے کے بعد فجر کی نماز پڑھ کر ناشتہ کرکے چھے بجے تک اپنے کام پر چلے جاتے تھے۔ وزارت عظمیٰ کے حصول کے بعد بھی نواز شریف کے والد پاکستان میں مسلسل اپنے کاروبار کو بڑھاتے چلے گئے تھے، حال آں کہ ان کے چند خیر اندیش ساتھیوں نے انھیں ایسا کرنے سے روکا تھا۔ مصنف آپ بیتی میں میاں محمد شریف اور میاں نواز شریف کے بارے میں تحریر کرتے ہیں:

"نواز شریف پانچ سال صوبائی وزیر خزانہ، ۵ سال وزیر اعلیٰ پنجاب اور ۶ سال وزیر اعظم رہے۔ اتنا بڑا اور لمبا اقتدار ملک میں کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ اس میں ان کے والد صاحب کا بڑا ہاتھ رہا... نتیجہ کے طور پر کابینہ اور پارلیمانی پارٹی سے مشاورت کم ہوتی گئی اور فیصلوں میں خاندانی اثر و رسوخ بڑھتا چلا گیا بالآخر پارلیمانی جمہوریت شخصی فیصلوں کے تابع ہو گئی۔"[۷]

میاں محمد شریف پاکستان میں متبادل عدالتی نظام یعنی دہشت گردی کی خصوصی عدالتوں کا نظام رائج کرنے کے لیے قانون سازی کرانا چاہتے تھے۔ ان خصوصی عدالتوں کے قیام کے مسئلے پر وزیر اعظم میاں نواز شریف اور چیف جسٹس سید سجاد علی شاہ میں اختلافات بڑھتے جا رہے تھے۔ وزیر اعلیٰ شہباز شریف نے اس مسئلے کو حل کرانے کی خاطر مجید نظامی کے ذریعے سجاد علی شاہ سے ملاقات کی اور انھیں وزیر اعظم سے بالمشافہ ملوایا گیا تو وزیر اعظم نے دہشت گردی کے مقدمات کا فیصلہ ایک ماہ میں اور اپیلٹ کورٹ میں دو ماہ کے اندر مقدمات کے فیصلوں کی خواہش کا اظہار کیا۔ چیف جسٹس نے ان کی بات تسلیم کر لی لیکن ساتھ ہی واضح کر دیا کہ وہ متبادل عدالتی نظام کے حق میں اس لیے نہیں ہیں کہ وہ قانونی تقاضوں کو مکمل انداز میں پورا نہیں کر سکتا اور اس طرح موجودہ عدالتی نظام پر یہ کھلم کھلا عدم اعتماد ہو گا۔ اس ملاقات میں تمام معاملات

خوش اسلوبی سے طے پا گئے تھے لیکن بعد میں میاں محمد شریف نے متبادل عدالتی نظام کو ہی اپنانے پر زور دیا اور ملاقات میں فریقین کی تجاویز کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ آپ بیتی میں اس معاملہ کے بارے میں مصنف بیان کرتے ہیں:

> ''وزیر اعظم اور چیف جسٹس پاکستان کا طے شدہ فیصلہ جس میں مدیر نوائے وقت اور وزیر اعلیٰ شہباز شریف بھی شامل تھے، میاں محمد شریف نے توڑ دیا۔''[۸]

صدر غلام اسحاق خان نے ۱۸، اپریل ۱۹۹۳ء کو چند ناگزیر وجوہات کی بنا پر قومی اسمبلی کو تحلیل کر کے میاں نواز شریف کی حکومت کو برطرف کر دیا۔ صدر کے اس اقدام سے قبل مصنف پنجاب کے وزیر اعلیٰ غلام حیدر وائیں کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک پیش کر چکے تھے لہٰذا مسلم لیگ کے ۱۶۵ اراکین پی پی پی کے گیارہ اور جماعت اسلامی کے دو اراکین صوبائی اسمبلی کے ووٹوں کی بدولت مصنف کو وزیر اعلیٰ پنجاب منتخب کر لیا گیا۔

عدالت کی طرف سے جب میاں نواز شریف کی حکومت کو بحال کر دیا گیا تو چند دن کے بعد مصنف نے محترمہ بے نظیر بھٹو سے اسلام آباد میں ملاقات کی۔ ملاقات میں بی بی نے نواز شریف کی طرف سے ہارس ٹریڈنگ کیے جانے پر شکوہ کیا اور مصنف کو پنجاب اسمبلی کو توڑ دینے کا مشورہ دیا۔ مصنف نے اپنی کابینہ اور احباب سے مشاورت کے بعد پنجاب اسمبلی کو توڑنے کے لیے گورنر پنجاب کو مشورہ دیا اور یوں پنجاب اسمبلی برخاست کر دی گئی۔ بی بی نے حسب وعدہ صدر سے کہہ کر میاں منظور احمد وٹو کو نگران وزیر اعلیٰ پنجاب بنا دیا۔

میاں منظور احمد وٹو کی وزارت اعلیٰ کے دوران جن امور پر ترجیحی بنیادوں پر کام کرایا گیا۔ ان میں سر فہرست تعلیم تھی۔ فروغ تعلیم کے حصول کے لیے نا صرف سالانہ بجٹ میں اضافہ کیا گیا بلکہ جامع منصوبہ بندی کے ذریعے معیار تعلیم کو بہتر بنانے کے لیے پنجاب اسمبلی سے لازمی پرائمری تعلیم کا ایکٹ پاس کرا لیا گیا، تیس ہزار دیہات میں غریب اور بے گھر لوگوں کو مالکانہ حقوق دینے کا قانون پاس کرایا گیا۔ فوری انصاف کے لیے سب ڈویژن کو سیشن ڈویژن بنا دیا گیا، لوکل باڈیز آرڈیننس ۱۹۹۵ء پاس کرایا گیا، پنجاب زرعی کمیشن قائم کیا گیا، کسانوں کے لیے سستی بجلی کی فراہمی، اریگیشن اتھارٹی کا قیام، اسلحہ کی نمائش پر

پابندی، لاؤڈ سپیکر پر پابندی، ترقیاتی کاموں میں تیزی اور کئی عوامی سکیموں کا افتتاح کیا گیا تھا۔

کچھ عرصہ کے بعد صدر فاروق احمد خان لغاری نے محترمہ بے نظیر بھٹو کی حکومت کو برطرف اور قومی اسمبلی کو تحلیل کر دیا۔ حکومت کو برطرف کرنے کی دو بنیادی وجوہات کرپشن اور کئی ماورائے عدالت قتل کرائے جانے کو قرار دیا گیا۔ صدر کی جانب سے منتخب حکومت کو برطرف کر دیئے جانے کے چند دن بعد مصنف کی صدر فاروق احمد خان لغاری سے ملاقات ہوئی جس میں انھوں نے کہا کہ بڑے حوصلہ اور سوچ بچار کے بعد میں نے اپنی ہی سیاسی جماعت کی حکومت کو پاکستان کے وسیع تر قومی مفاد میں برطرف کرنے کا انتہائی مشکل فیصلہ لیا ہے۔ اس مسئلہ کے بارے میں مصنف آپ بیتی میں رقم طراز ہیں:

> ”انھوں نے کہا کہ بے نظیر بھٹو کی حکومت میں نے اس لیے ختم نہیں کی کہ پاکستان کی تقدیر نواز شریف کے سپرد کر دی جائے کیوں کہ میں ذاتی طور پر جانتا ہوں کہ نواز شریف ان سے زیادہ کرپٹ ہے۔“[۹]

صدر کی طرف سے محترمہ بے نظیر بھٹو کی حکومت کے خاتمے کے بعد میاں نواز شریف انتخابات میں دو تہائی اکثریت حاصل کرنے میں کامیاب رہے اور حکومت بنانے کے بعد چودھویں آئینی ترمیم کرکے پارلیمنٹ کو تابع کر لیا۔ میاں نواز شریف نے پندرھویں آئینی ترمیم سے صدر کے بنیادی نوعیت کے اختیارات جن میں اسمبلی کو تحلیل کرنے، آرمی چیفس کو ہٹانے، تعینات کرنے، گورنروں کو ہٹانے اور تعینات کرنے کے اختیارات کو وزیراعظم کے سپرد کر دیا۔ جبکہ صدر کے اختیارات کو کم کر دیا گیا۔ اس دوران میاں نواز شریف نے احتساب سیل کے ذریعے اپنے سیاسی مخالفین پر احتساب کے نام پر ریفرنس دائر کرائے۔ ان دنوں لاہور ہائی کورٹ کے راولپنڈی بنچ نے آصف زرداری اور بی بی کو پانچ پانچ سال قید، انتخابات کے لیے نااہل اور چوالیس کروڑ روپے جمع کرانے کے احکامات سنائے۔

میاں منظور احمد وٹو کو اگست ۱۹۹۹ء میں سپریم کورٹ نے ضمانت پر رہا کر دیا تو انھوں نے پاکستان عوامی اتحاد میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا جس کا صرف یک نکاتی ”نواز ہٹاؤ“ مطالبہ تھا۔ اس اتحاد میں تحریک انصاف، ایم کیو ایم، نیشنل عوامی پارٹی اور پاکستان عوامی تحریک شامل ہوئیں۔ گرینڈ ڈیموکریٹک الائنس کا پہلا اجلاس مصنف کے گھر پر منعقد کیا گیا تھا۔ جنرل پرویز مشرف نے ۱۲، اکتوبر ۱۹۹۹ء کو میاں نواز شریف کی

حکومت کو ختم کر دیا۔ سپریم کورٹ نے تین سال تک حکومت کرنے کا اختیار دے دیا۔ احتساب کا قانون بنایا گیا۔ لوکل باڈیز کا نظام لاگو کر دیا گیا۔ ان دنوں جمہوریت کی بحالی کے نام پر ایک نیا اتحاد "اے۔آر۔ڈی" یعنی "اتحاد برائے بحالی جمہوریت" سامنے آیا جس میں مسلم لیگ نواز نے بھی شمولیت اختیار کر لی۔ میاں نواز شریف کو جہاز اغوا کرنے کے جرم میں عمر قید اور احتساب کے دوسرے کیس میں چودہ سال قید کی سزا سنادی گئی تھی۔ میاں نواز شریف نے جنرل پرویز مشرف سے سعودی شہزادوں کے ذریعے ڈیل کرائی اور سعودی عرب منتقل ہونے کا فیصلہ کیا۔

صدر جنرل پرویز مشرف نے میجر جنرل حسین مہدی جو کہ اس وقت ڈی۔جی رینجرز تھے، ان کو پی۔پی۔پی کے اراکین کا ایک فارورڈ بلاک بنانے کا ٹاسک دیا تھا۔ انھوں نے سترہ اراکین پر مشتمل ایک گروپ قائم کر لیا۔ صدر نے میر ظفر اللہ جمالی کو پاکستان کا وزیر اعظم منتخب کرا دیا، کچھ عرصہ بعد صدر کے معاونین نے سابق بیوروکریٹ شوکت عزیز کو میر ظفر اللہ جمالی کی جگہ وزیر اعظم بنائے جائے کا مشورہ دیا۔ اس مقصد کے حصول کے لیے وزیر اعظم جمالی سے استعفا لے کر چودھری شجاعت حسین کو وزیر اعظم بنایا گیا جبکہ شوکت عزیز کو اٹک سے انتخاب جتوا کر بعد میں وزیر اعظم پاکستان بنا دیا گیا۔

مئی ۲۰۰۶ء میں پاکستان کی سیاسی تاریخ میں میاں نواز شریف اور محترمہ بے نظیر بھٹو کے مابین مینڈیٹ کے احترام پر ایک معاہدہ لندن میں طے پایا جسے "میثاق جمہوریت" کہا جاتا ہے۔ ۲۷ دسمبر ۲۰۰۷ء کو لیاقت باغ راولپنڈی میں بی بی پر قاتلانہ حملہ کیا گیا۔ جس میں وہ زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے شہید ہو گئیں۔ اس سانحے کے بعد آصف علی زرداری نے "پاکستان کھپے" کا نعرہ لگایا اور ۲۰۰۸ء کے عام انتخابات میں کامیابی حاصل کی۔ پی۔پی۔پی نے وزیر اعظم کے لیے یوسف رضا گیلانی کو امیدوار نامزد کیا جنھیں قومی اسمبلی میں بلا مقابلہ منتخب کیا گیا تھا۔ پی۔پی۔پی کے بعد ۲۰۱۳ء کے عام انتخابات میں میاں محمد نواز شریف پاکستان کے تیسری دفعہ وزیر اعظم منتخب ہوئے۔

بلاشبہ میاں منظور احمد وٹو کی تحریر کردہ آپ بیتی قیام پاکستان سے لے کر اکیسویں صدی کے پہلے عشرے تک کی منہ بولتی سیاسی تاریخ ہے۔ خود نوشت میں مصنف نے اپنے خاندانی پس منظر، دیہاتی طرز معاشرت، اپنے علاقے کی سماجی پستی، تعلیمی وسائل کے فقدان اور اپنی سیاسی زندگی کی تگ و دو کو بڑے قرینے

سے بیان کیا ہے۔ خودنوشت میں پاکستان کی سیاست کے نشیب و فراز کو ایک منجھے ہوئے سیاست دان کی نظر سے دکھایا گیا ہے۔ مصنف اپنی داستان حیات کو ایک منظّم انداز میں ایک کہانی کی طرح بیان کرتے چلے جاتے ہیں جس سے قاری کی دلچسپی میں مزید اضافہ ہوتا جاتا ہے اور پاکستانی سیاست کے کئی بھید اور راز منکشف ہوتے جاتے ہیں۔

حوالہ جات:

۱۔ علم الدین سالک، ''آپ بیتیوں کے بعض نمایاں پہلو''، مشمولہ: نقوش ،آپ بیتی نمبر (لاہور: ادارہ فروغ اردو، ۱۹۶۴ء)، ۴۰۔
۲۔ ڈاکٹر محمد عمر رضا،اردو میں سوانحی ادب (لاہور: فکشن ہاوس، ۲۰۱۲ء)، ۳۱۴۔
۳۔ آل احمد سرور،خواب باقی ہیں (لاہور: فکشن ہاوس،۱۹۹۸ء)،۹۔
۴۔ ڈاکٹر وہاج الدین علوی،خودنوشت: فن و تجزیہ (نئی دہلی: شعبہ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ، ۱۹۸۹ء)، ۴۹۔
۵۔ ڈاکٹر محمد عمر رضا،اردو میں سوانحی ادب ، ۳۱۵۔
۶۔ میاں منظور احمد وٹو،جرم سیاست (لاہور: احمد پبلی کیشنز،۲۰۱۹ء)، ۱۸۹۔
۷۔ ایضاً، ۱۵۳۔
۸۔ ایضاً، ۱۵۴۔
۹۔ ایضاً، ۲۳۴۔